فقہ حدیث کی نظر میں

اور

مذہب "ظاہریّہ" پر ایک نظر!

(از جناب مولانا سید محمد یوسف بنوری (فاضل دیوبند) استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

عقل اور اس کا منصب عقل و ادراک "حق جل ذکرہ کا وہ ربانی عطیہ ہے جو علمی و عملی کمالات اور فطری و کسبی ملکات کے لئے بنیاد ہے بلکہ علمی و روحانی منازل طے کرنے کے لئے سرچشمہ ہے نظام عالم کی اصلاح کے لئے جو نوامیس الہیہ آئے ہیں ان کا بڑی حد تک اسی پر مدار ہے، تہذیب نفوس و تزکیہ اخلاق کا بھی یہی دارومدار ہے۔ انسان کے روحانی کمالات کا انتہائی عروج جسے ہم نبوت یا رسالت سے تعبیر کرتے ہیں، جن نفوس قدسیہ کو نصیب ہوا ہے اس کے لئے سب سے پہلے عقل و ادراک کے انتہائی کمال کی ضرورت ہے۔ تشریعی قوانین اور تکلیفی احکام جس کے ذریعہ سے انسان ابدی نعیم کا مستحق ہوتا ہے، عقل و ادراک اس کے لئے شرط اول ہے۔ غرض اس نعمت عظمےٰ کی عظمت سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا ہے، کائنات عالم کی مادی و روحانی حیرت انگیز ترقیات سب اس کے کمال کی دلیل ہیں "آفتاب آمد دلیل آفتاب" لیکن ہر چیز کے لئے خالق برحق اور قادر مطلق نے ایک حد مقرر کر دی ہے اس قانون قدرت کے مطابق عقل و ادراک کے لئے بھی ایک منصب منتخب کر دیا گیا ہے۔ اس کی حدود متعین ہوئی ہیں۔ دیکھئے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان کے حواس اسی حد تک اپنا وظیفہ منصبی بجا لا سکتے ہیں جس حد تک خالق حواس نے انہیں صلاحیت رکھی ہے "حاسۂ بصر" ایک محدود دائرہ میں ابصار و رویت کا وظیفہ ادا کر سکتا ہے آپ اگر چاہیں کہ آنکھ ایک ٹھوس پتھر کے اندر کی کائنات کا مشاہدہ کر سکے تو یہ ناممکن ہے، آپ اگر چاہیں کہ چند میل کے فاصلہ سے کسی چیز کو دیکھنا چاہئے تو یہ مشکل ہے، اسی طرح سمع وغیرہ حواس کا بھی یہی حال ہے۔ "معجزات" و خوارق عادات کی بحث کو جانے دیجئے وہ ایک مخصوص قانون قدرت کا مخفی نظام ہے مقصود تو عام قانون قدرت سے نظام عالم کی عام فطرت کو بتلانا منظور ہے، اسی طرح عقل کا بھی اپنا منصب ہے اس منصب کی حدود کے اندر اندر وہ اپنا وظیفہ پورا کر سکتی ہے اگر اس میں ذرا بھی غلو و افراط سے کام لیا گیا تو یہ اس کا ناجائز استعمال ہوگا۔ جس میں اس کی ناکامی و خسران یقینی ہے۔ اسی طرح اگر اس میں تفریط کیلئی اور اپنی حدود میں اسکے اختیارات کو مسدود کر دیا جائے تو یہ تعطل اسکے حق میں ظلم ہوگا، تعدی ہوگی، کفران نعمت ہوگا، بابل و نینوی و حران وغیرہ کے صابئہ کو جانے دیجئے ایران کے مجوس و مزدکیہ کا ذکر چھوڑ دیجئے

ہوگیا ہے، ارض شام وفلسطین کے یہود کے ذکر چھوڑیئے۔

یعقوبیہ ونسطوریہ وملکانیہ وغیرہ وغیرہ نصاریٰ کی داستان پرانی ہوچکی ہے، عہد اسلام سے پہلے کے افسانے بہت طویل ہیں خود عہد اسلام کی کیحالت دیکھیئے، خیر الامم کیحالت دیکھیئے، کہ منصب عقل کی تفریط وافراط شیطانی وساوس کا جال کتنا پھیل گیا؛ "ملل ونحل" کی کتابوں میں "فرقوں" کے نام گنتے گنتے خود عقل دنگ ہوجاتی ہے۔ امام ابوالحسین الملطی المتوفی ۳۷۷ھ کی کتاب "الرد علی اھل الاھواء والبدع" امام ابومنصور عبدالقاہر بغدادی المتوفی ۴۲۹ھ کی تالیف "الفرق بین الفرق" امام ابوالمظفر اسفرائینی المتوفی ۴۷۱ھ کی کتاب "التبصیر فی الدین وتمییز الفرقۃ الناجیۃ من الھالکین" امام ابومحمد ابن حزم ظاہری المتوفی ۴۵۶ھ کی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" امام عبدالکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ کی "کتاب الملل والنحل" یہ سب نادر روزگار تالیفات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اسلام کے عہد عروج ہی کو لیجیئے کہ بعض مدعیان عقل نے عقل کے دائرہ کو وسیع کرکے حق تعالیٰ کی ذات وصفات جل ذکرہ میں عقل کو دخل دیا جسکا نتیجہ دنیا نے جہمیہ اور معطلہ کی شکل میں دیکھ لیا بعض نے دائرہ اتنا تنگ کردیا کہ عقل کو بیکار بناکر حق تعالیٰ شانہ کی ذات وصفات کو بھی مخلوق کے مشابہ بتلادیا جسکا نتیجہ دنیا میں مشبہہ مجسمہ اور حشویہ کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ خیر یہ تو عقائد واصول دین کی بحث تھی جس کا تعلق ہمارے موضوع بحث سے نہیں۔

فروع دین میں عقل کا درجہ یا شرعی نظام میں "فقہ" کا مرتبہ

اسلام کے شرعی نظام میں جو مسائل اور فروعی احکام صاف وصریح طور پر "کتاب وسنت" میں موجود نہیں ہیں یا صحابہ وتابعین کے عہد میں "اجماع امت" انکے لئے دلیل راہ نہ بن سکی "کتاب وسنت" میں غور کرنے سے صحابہ وفقہاء امت نے جن احکام کو سمجھا ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں جن غامض ودقیق مسائل کا انکشاف واستنباط کیا ہے، نئے نئے حوادث عالم میں عقل وادراک نے کتاب وسنت واجماع سے جن مسائل کا ایک مکمل نظام مرتب کیا ہے، طویل وعمیق تفکیر واجتہاد سے جو ایک نیا خاکہ امت کے سامنے پیش کیا ہے اس کا نام "فقہ" یا قیاس ہے عقل وادراک کا یہ منصب اہل حق کو ہمیشہ تسلیم رہا ہے۔ فقہاء امت وصحابہ وتابعین سے لیکر آخر تک انکا یہی دستور العمل رہا کہ جو احکام دین کتاب وسنت میں بیان ہوچکے تھے وہاں سے لئے اور جو وہاں نہ ملے ان میں اجماع امت سے استفادہ کیا۔ اور بدرجہ مجبوری انہی سرچشموں سے سیرابی کی شاہراہیں نکالیں، یہ خیال کہ "قیاس وفقہ" بیکار چیز ہے یا "تفقہ واستنباط" غیر ضروری امر ہے اس ترقی کے زمانہ میں ایک مضحکہ انگیز خیال ہے، بلکہ مجنون کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ عصر حاضرہ میں مادی وسائل کی حیرت انگیز ترقی نے نئے نئے مسائل پیدا کردیئے ہیں، ریڈیو، لاؤڈ اسپیکر، ٹیلیگراف، وائرلیس وغیرہ نے رویت

وغیرہ کے لئے خبر رسانی کے نئے ذرائع زیر بحث کر دیئے۔

علم المعشیت والاقتصاد کی تدوین نے عقود و معاملات کے بارے میں نئے عقدے ظاہر کر دیئے ہیں۔ اشتراکیت و فسطائیت کی لعنتوں نے اسلامی نظام کے اجزاء میں روڑے اٹکا دیئے ہیں، خالص اسلامی نظام کے فقدان نے ان مشکلات کو اور بڑھا دیا ہے جن کے حل کرنے کے لئے فقہاء امت کے وہ علمی ذخائر جو ہزاروں مجلدات کی شکل میں سامنے موجود ہیں ناکافی تصور کئے جاتے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں یہ کہنا کہ استنباط جدید یا تفقہ جو فقہاء امت کر چکے ہیں فضول ہے اور یہ کہ اس تفقہ نے اختلافات پیدا کر دیئے ہیں "تفریق کلمہ" کر دی ہے یہ کہنا حقائق و واقعات سے افسوسناک جہالت ہی نہیں بلکہ مجرمانہ غفلت ہے، لیکن منکرین قیاس کا اب بھی ایک گروہ موجود ہے اور یہ گروہ فقہاء امت سے ہمیشہ برسرپیکار رہا ہے "انکار قیاس" "عدم تقلید" غور کرنے سے دونوں میں قدر مشترک ایک نکلتا ہے اور یہ دونوں اگر سگے بھائی نہیں تو علاتی بھائی (باپ شریک) تو ضرور ہیں، غیر مقلدین کا ایک گروہ ہندوستان میں بھی موجود ہے جس کا اصلی مرکز کسی زمانہ میں بعض بلاد عراق، بلاد شام پھر اندلس اور کچھ یمن رہا

منکرین قیاس اور ظاہری مذہب پر ایک نظر

سب سے پہلے جس نے ابطال قیاس و ابطال اجماع کے لئے کمر باندھی وہ ابو اسحاق ابراہیم بن سیار نام نظام لقب معتزلی متوفی تقریباً ۲۳۱ھ ان کے بعد داؤد بن علی الاصبہانی المتوفی ۲۷۰ھ آئے جو داؤد ظاہری کے نام سے مشہور ہیں ابتداء میں امام خراسان شیخ اسحاق بن راھویہ اور امام ابو ثور سے فقہ حاصل کیا بعد میں قیاس سے منکر ہوئے واسع الاطلاع محدث ہیں لیکن اصول و فروع دونوں میں ان کے ایسے تفردات بھی ہیں جو انتہائی مضحکہ انگیز ہیں، حافظ حدیث شیخ اسمٰعیل القاضی المالکی اور ابو بکر رازی الحنفی المتوفی ۳۱۵ھ شیخ ابو اسحاق اسفرائینی، امام ابو المعالی امام الحرمین شافعی قاضی ابوبکر بن عربی مالکی ان کے انتہائی مخالف ہیں[1]۔

بہرحال داؤد ظاہری سے اتباع کا ایک مستقل مذہب تیار ہو گیا جس کی بنیاد ابطال قیاس و رائے پر رکھی گئی ابراہیم بن جابر بغدادی عبداللہ بن احمد المغلس ابو الحسین محمد بصری ابو القاسم عبیداللہ کوفی ابو بکر محمد نہروانی محمد بن اسحاق کاشانی وغیرہ وغیرہ اس مذہب کے مشہور علمبردار ہیں اور آخر میں اندلس میں ابن حزم ۴۵۶ھ سب سے بڑے علمبردار ہوئے، گو اندلس میں اس مذہب کے لئے زمین بقی بن مخلد و ابن وضاح و قاسم بن اصبغ وغیرہ نے تیار کی تھی تاہم باقاعدہ مذہب بنانے میں ابن حزم کو بہت کچھ دخل ہے اصول فقہ میں "کتاب الاحکام" اور "النبذ" لکھی فروع دین اور اصول دین میں مشہور کتاب "المحلی" لکھی اور خوب زور شور سے ابطال قیاس کیا سارے فقہاء امت خصوصاً مالکیہ

[1] التبصیر فی الدین لابی المظفر الاسفرائینی ص۱۱۳ پر انکار ملاحظہ ہو للشیخ محمد زاہد الکوثری۔ [2] ملاحظہ ہو النبذ لابن حزم کا مقدمہ۔

وحنیفہ کے خلاف پورا زور صرف کیا اور سچ تو یہ ہے کہ ظاہری مذہب میں اگر کچھ روح ہے تو وہ ابن حزم ہی کے طفیل سے ہے اگرچہ اصول دین میں وہ داؤد ظاہری کے مخالف ہیں بلکہ ایک حد تک خصم مقابل ہیں لیکن فروع میں انکے ہمنوا ہیں بایں ہمہ کوشش ظاہری مذہب کو وہ فروغ حاصل نہ ہو سکا جو فقہاء امت کے مذاہب اربعہ کو حاصل ہوا جس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اجتہاد و تفقہ کی جو روح ہے۔ غامض و دقیق فروع کے لئے جس سرمایہ کی ضرورت ہے یہ مذہب اس سے خالی ہے پھر اس پر مستزاد یہ کہ ابن حزم نے فقہاء امت کی تجہیل و تحمیق کا ایسا لہجہ اختیار کیا جو ناقابل برداشت تھا، یہاں تک مشہور ہوا کہ ”سیف الحجاج وقلم ابن حزم توأمان“ کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں توأم ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ ابن حزم کی کتابوں سے اور اس مذہب سے بے التفاتی اور بڑھ گئی، خیر کچھ بھی ہو لیکن اس مذہب کے مؤیدین یا مقلدین، مصر، شام، قدس، دمشق، ہند اور اب حجاز میں بکثرت پائے جاتے ہیں ابن حزم کی ”محلی“ کتاب الاحکام ”النبذ“ یہ سب چھپ گئی ہیں اور ان میں اس فتنہ کا کافی سامان موجود ہے

مذہب ظاہریہ کے چند مسائل

بطور نمونہ ذیل میں ہم چند مسائل ”ظاہریہ“ کے پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین یہ فیصلہ کر سکیں کہ ظاہریت پر جمود کرنا اور مدارک استنباط و اجتہاد سے استغنا کرنا کس حد تک صحیح ہو سکتا ہے؟ بلکہ یہ مسلک جن قبائح کا باعث ہوگا وہ بآسانی معلوم ہو سکینگے۔ صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرۃ رض کی روایت سے حدیث ہے: ”لا یبولن أحدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل فیہ“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ غیر جاری پانی میں پیشاب نہ کیا جائے خصوصاً جب اسمیں غسل کرنا بھی ہو۔ مطلب ظاہر ہے کہ غیر جاری پانی نجاست وغیرہ پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے، ہاں اگر پانی جاری ہو یا کوئی بڑا حوض ہو جو جاری کے حکم میں ہو وہ اسوقت تک پاک رہیگا جب تک مزہ، بو، اور رنگ میں تغیر نہ آئے۔ اب اس حدیث کے بارے میں ظاہریہ کے مسائل ملاحظہ ہوں۔ (۱)

(۱) اگر کسی نے برتن وغیرہ میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دیا تو پانی پاک ہے۔

(۲) اگر پانی سے باہر پیشاب کر دیا اور وہ بہ کر پانی میں پہونچ گیا تو پانی پاک ہے۔

(۳) اگر ایک شخص نے پانی میں پیشاب کر دیا اور دوسرا آکر اس میں وضو کرے یا غسل کرے تو جائز ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص پانی میں پیشاب نہ کرے صرف پائخانہ پھرے تو اس سے وضو وغیرہ جائز ہے۔

ان سب کی دلیل یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ جو آدمی خود پیشاب کرے وہ وضو وغیرہ نہ کرے اس سے منع نہیں فرمایا کہ اگر دوسرا پیشاب کر دے تب بھی اس سے وضو نہ کرے یا پیالہ وغیرہ سے ڈالدے تو نکرے نیز پیشاب سے منع فرمایا پائخانہ وغیرہ سے منع نہیں فرمایا ہے اور یہی مذہب ابن حزم کا بھی ہے۔ (۲)

(۱) ماخوذ از طرح التثریب فی شرح التقریب للشیخ زین الدین عبدالرحیم العراقی المتوفی ۸۰۶ھ مطبوعہ مصر تنبیہ ان سب صورتوں میں پانی وہی مراد ہے جو غیر جاری ہو چاہے قلیل ہو یا کثیر، نیز یہ اسوقت تک ہے جبتک کہ پانی کے اوصاف ثلاثہ میں تغیر نہ ہو۔ (۲) دیکھو شرح التقریب ص ۳۴ ج ۲

امام قرطبی صاحب المفہم فی شرح مسلم فرماتے ہیں:۔ ومن التزم هذه الفضائح وجمد هذا الجمود فحقيق بأن لا يعد من العلماء بل ولا في الوجود الخ یعنی جو شخص ان فضائح کا التزام کرے اور جمود اس درجہ تک پہونچ جائے تو چاہیئے کہ اسے علماء کے زمرہ میں شمار نہ کیا جائے بلکہ اس کو دنیا کے صفحۂ ہستی سے معدوم قرار دیا جائے۔

بہرحال آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ ظاہریت پر جمود کرنے والے اور شرعی قیاس سے انکار کرنے والے اس قسم کے ایک انجام پر اتر آئے۔ اسی قسم کے امور کو دیکھ کر حافظ حدیث قاضی ابوبکر بن عربی اندلسی "عارضۃ الاحوذی" میں فرماتے ہیں کہ چاہیئے کہ "ظاہریہ" کو فرق باطلہ میں شمار کیا جائے اور کچھ قبائح بیان کرنے کے بعد ایک فصیح و بلیغ قصیدے میں دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، چند شعر ملاحظہ ہوں۔

قالوا الظواهر أصل لا يجوز لنا	عنها العدول الى رأي ولا نظر
قلت اخسأوا فمقام الدين ليس لكم	هذي العظائم فاستخفوا من الوتر
ان الظواهر معدودة مواقعها	فكيف تحصي بيان الحكم في البشر
فالظاهرية في بطلان قولهم	كالباطنية غير الفرق في الصور
كلاهما هادم للدين من جهة	والمقطع العدل موقوف على النظر
هذي الصحابة تستبري خواطرها	ولا تخاف عليها عثرة الخطر
وتعمل الرأي مضبوطاً مآخذه	وتخرج الحق محفوظاً من الاثر
بينوا عن الخلق لستم منهم أبداً	ما للأنام ومعلوف من البقر

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ "ظاہریہ" کہتے ہیں کہ ظاہر احادیث ہی اصل شریعت ہے رائی و نظر کی حاجت نہیں میں کہتا ہوں جاؤ! ذلیل ہو تمہیں یہ کہنے کا حق حاصل نہیں۔ ظاہر نصوص شرعیہ تو معدود احکام میں منحصر ہیں آخر قیامت تک کے ... حوادث کا حکم کیونکر محض ظاہر سے معلوم ہوگا۔ ظاہریہ کی مثال باطنیہ جیسی ہے دونوں باطل ہیں دونوں دین کو منہدم کرتے ہیں صرف صورتوں کا فرق ہے، کیا یہ صحابہ کرام ہمیشہ اپنے دماغوں سے سوچ کر مسائل نہیں بیان کرتے تھے۔ جاؤ! تمہیں انسانوں سے کوئی واسطہ نہیں آدمی اور بیل دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

قرآن و حدیث میں استنباط و اجتہاد اور تفقہ و نظر کے لئے کافی ذخیرہ موجود ہے اسوقت اس موضوع پر کتاب و سنت سے دلائل پیش کرنے کا ارادہ نہیں اس بارے میں حضرت معاذ کی صرف ایک حدیث پیش کرنی ہے جو اس موضوع میں بہت صاف و صریح دلیل ہے۔ "ابن حزم" نے کتاب الاحکام" اور کتاب النبذ" میں اسکی تضعیف کی پوری کوشش کی ہے بلکہ کتاب النبذ میں تو صاف کہدیا کہ بالکل باطل حدیث ہے اور بعض ان کے

اعتراضات سے متاثر ہوکر ان کے ہم خیال بن گئے ہیں، ہم اس فرصت میں اس حدیث کی توثیق و تصحیح کے وہ وجوہ بیان کریں گے جو اکابر امت کی تحقیقات سے ہم سمجھ سکتے ہیں چونکہ مسائل فقہ اسلامی، دین کا اہم ترین موضوع ہے اسلئے توجہ کا محتاج ہے۔ واللہ الموفق۔ (حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اسکی محدثانہ تحقیق)

مسند دارمی، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت معاذ کی مذکورہ حدیث مختلف لفظوں سے روایت کی گئی ہے سنن ابی داؤد کی روایت ملاحظہ ہو۔

"حدثنا حفص بن عمر عن شعبة عن ابی عون عن الحارث بن عمرو ابن اخی المغیرة بن شعبة عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ بن جبل: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لما اراد أن یبعث معاذاً الی الیمن قال: کیف تقضی اذا عرض لك قضاء؟ قال: اقضی بکتاب الله قال فان لم تجد فی کتاب الله؟ قال فبسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال فان لم تجد فی سنة رسول الله (صلی الله علیه وسلم) ولا فی کتاب الله؟ قال اجتهد برائی ولا آلو، فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم صدره فقال: الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله (صلی الله علیه وسلم) لما یرضی رسول الله"

حدیث شریف کا حاصل یہ ہے:۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی حاکم مقرر کرنا چاہا تو فرمانے لگے کس طرح فیصلے کیا کروگے۔ عرض کیا کہ کتاب اللہ سے حکم کرونگا اور اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر رسول اللہ کی سنت سے حکم کرونگا۔ اور اگر دونوں میں نہ ملے تو (کتاب وسنت کی روشنی میں) اپنے اجتہاد و قیاس سے فیصلہ کرونگا۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ کے صحیح جواب سے بہت مسرور ہوئے اور انکے سینہ پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اسنے رسول اللہ کے رسول کو ایسی بات کی توفیق عطا فرمائی جس سے خدا کے رسول خوش ہوگئے۔ حدیث مذکور "استدلال بالقیاس" میں صاف و صریح حجت ہے اور عہد اسلام میں صحابہ و تابعین و فقہاء امت کا یہی نظام عمل اور دستور عمل رہا کہ کتاب وسنت میں کوئی حکم صاف نہ ملا تو انہی چشموں سے سیرابی کی نہریں جاری کیں اور مختلف جہات سے غور و خوض کے بعد انہی کی روشنی میں جو سمجھ میں آیا فیصلہ کیا، یہاں تک کہ نظام معتزلی آیا اور ابطال قیاس کیا اور انکے بعد بعض مبتدعین نے انکا اقتدا کیا جس کی تفصیل گذر گئی۔

حدیث مذکور پر اعتراضات منکرین قیاس نے حدیث مذکور پر حسب ذیل اعتراضات کئے۔

ہ باب اجتہاد الرای فی القضاء ص ۵۰۵ ج ۲ مطبوعہ کانپور طبع قدیم۔

(۱) ابوعون محمد بن عبداللہ ثقفی المتوفی سنہ ۱۱۶ھ راوی حدیث حارث بن عمرو سے روایت کرنے میں متفرد ہے۔
(۲) حارث بن عمرو اس حدیث کا راوی مجہول الحال ہے امام بخاری وغیرہ محدثین فرماتے ہیں کہ اس روایت کے سوا ان کی کوئی دوسری روایت نہیں ملتی۔
(۳) حضرت معاذ سے نقل کرنے والے انکے اصحاب نامعلوم کون ہیں انکے نام مذکور نہیں۔

اعتراضات مذکورہ کا جواب

(۱) ابوعون ثقفی صحیح بخاری و مسلم کا راوی ہے امام اعمش امام ابوحنیفہ سفیان ثوری مسعر بن کدام شعبۃ بن الحجاج ابواسحاق شیبانی وغیرہ وغیرہ اکابر امت و اساطین حدیث انسے روایت کرتے ہیں غرض یہ کہ ابوعون سب ائمہ رجال کے نزدیک باتفاق ثقہ ہیں۔ کسی راوی کے تفرد سے بشرطیکہ ثقہ ہو صحت حدیث میں خلل نہیں آتا بخاری و مسلم کی کتابوں میں کثرت سے ایسی احادیث موجود ہیں جن کے رواۃ روایت متفرد ہیں دوسرا کوئی متابع موجود نہیں تاہم علماء رجال کے نزدیک سب قابل استدلال اور صحیح ہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ راوی متفرد سے کوئی دوسرا راوی زیادہ ثقہ مخالف موجود نہ ہو اور یہاں کوئی دوسرا ثقہ انکے مخالف روایت کرنے والا نہیں اوثق تو درکنار۔ تو یہ تفرد محدثین امت کے اصول کے مطابق ضعف یا سقوط حدیث کی دلیل نہیں بن سکتا۔ پھر اس حدیث کو ابوعون سے جن محدثین نے روایت کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔
ابواسحاق شیبانی اور شعبۃ بن الحجاج شعبۃ بن الحجاج کے متعلق محدثین میں مسلم ہے کہ وہ رجال میں بہت متشدد ہیں اور جس حدیث کو وہ روایت کریں یہ اس حدیث کی توثیق کے لئے کافی ہے۔ تو اب صرف شعبہ کی روایت کرنا اس کا کفیل ہے کہ اس حدیث کے سارے رواۃ قابل احتجاج ہیں ورنہ شعبہ اسکی روایت نکرتے۔ پھر شعبہ سے جو محدثین اسکی روایت کرتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔
یحییٰ بن سعید القطان عبداللہ بن المبارک ابوداؤد طیالسی عثمان بن عمر العبدی علی بن الجعد محمد بن جعفر عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ وغیرہ۔ اور ابواسحاق شیبانی سے ابومعاویہ بن خازم روایت کرتے ہیں اور ان سے سعید بن منصور ابوبکر ابن ابی شیبۃ۔
(۲) حارث بن عمرو بن ثقفی کبار تابعین میں سے ہیں ان کے بارے میں محدثین سے کوئی جرح مفسر موجود نہیں صرف اتنا کہتے ہیں کہ غیر معروف ہیں اور سوائے ابوعون ثقفی انسے کوئی دوسرا راوی نہیں۔
کسی تابعی کا مجہول الحال اور مستور ہونا ابن حبان اور بعض محدثین کے ہاں توثیق کے لئے کافی ہے کیونکہ جب کبار تابعین میں سے ہیں اور قرون مشہود لہا بالخیر میں ہیں اور کوئی جرح مفسر جو انکے حق میں مؤثر ہو منقول نہیں انکی عدالت و توثیق کے لئے کافی و شافی ہے نیز حضرت مغیرہ بن شعبۃ جیسے جلیل القدر صحابی کا بھتیجا ہونا اسکی تعیین

کے لئے کافی ہے، اگر کوئی راوی مجہول الحال اور کبار تابعین میں سے نہ بھی ہو مگر دو ثقات ان سے روایت کریں تو یہ ان کی توثیق و تعدیل سمجھی جائے گی بلکہ حافظ ابن القیم وغیرہ بعض محدثین نے تو یہاں تک لکھدیا ہے "روایۃ العدل عن غیر تعدیل لہ مالم یعلم فیہ جرح" کہ ایک ثقہ کی روایت بھی انسے اسکی دلیل ہے کہ وہ راوی انکے نزدیک ثقہ ہے اب حسب ذیل نتائج پر غور کیجئے۔

الف - حارث بن عمرو مغیرۃ بن شعبۃ کا بھتیجا ہے۔

ب - کبار تابعین میں سے ہے۔

ج - ابو عون ثقفی جیسے مسلم جلیل القدر محدث انسے روایت کرتے ہیں۔

د - ابو عون سے شعبۃ اور ابن المبارک جیسے کبار محدثیں اسکو نقل کرتے ہیں۔

ہ - ابن حبان نے حارث بن عمرو مذکور کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور ابن حبان رجال میں متشدد و متعنت مشہور ہیں جیسا کہ حافظ شمس الدین ذھبی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

پس ان امور کے پیش نظر حارث بن عمرو کی توثیق و تعدیل میں کسی منصف کو مجال کلام نہیں۔

(۳) اصحاب معاذ بن جبل کے اسمار گرامی معلوم نہ ہونا ضعف حدیث کی دلیل نہیں بن سکتے۔

قاضی ابو بکر بن العربی شرح ترمذی میں فرماتے ہیں:-

ولا احد من اصحاب معاذ مجهولاً ويجوز ان يكون في الخبر اسقاط الاسماء عن جماعة ولا يدخل ذلك في حيز الجهالة وانما يدخل في المجهولات اذا كان واحداً فيقال حدثني رجل او حدثني انسان ولا يكون الرجل للرجل صاحباً حتى يكون له به اختصاص فكيف وقد زيد تعريفاً بهم ان اضيفوا الى بلد، وقد خرج البخاري الذي شرط الصحة في حديث عروة البارقي ولم يكن ذلك الحديث في جملة المجهولات وقال مالك في القسامة "اخبرني رجال من كبراء قومه" وفي الصحيح عن الزهري "حدثني رجال عن ابي هريرة من صلى جنازة فله قيراط" اھ

حضرت معاذ کے اصحاب و تلامذہ میں سے کوئی مجہول نہیں اور یہ ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے اسناد میں اگر کئی نام ایک جگہ میں ہوں نام حذف کر دیئے جائیں اور باوجود اسکے کہ وہ اسناد مجہول نہیں ہونگی مجہول تو اسوقت ہوگی کہ کسی جگہ ایک راوی ہو اور اسکا نام ساقط کیا جائے جیسا "حدثنی رجل" وغیرہ اور کسی تلمیذ کو صاحب اسوقت کہا جاتا ہے جب اسکو اپنے شیخ کیساتھ کوئی خصوصیت ہو پھر اسنے بڑھکر شہر کیطرف انکی نسبت کرنا مزید تعریف ہے صحیح بخاری شریف جنکی شرط صحت ہے حدیث عروہ بارقی میں فرماتے ہیں "سمعت الحی" یعنی ایک قبیلہ عروہ سے بیان کرتے ہیں امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں "اخبرنی رجال من کبراء قومہ" نیز صحیح بخاری میں ہے "حدثنی رجال عن ابی ہریرۃ" "چند آدمیوں نے مجھ سے نقل کیا ابو ہریرہ سے۔"

حافظ حدیث ابوبکر خطیب بغدادی تاریخ بغداد کا مصنف کتاب "الفقیہ والمتفقہ" (غیر مطبوع[۱]) میں فرماتے ہیں۔

وقول الحارث بن عمرو عن اناس من اصحاب معاذ يدل على شهرة الحديث وكثرة رواته وقد عرف فضل معاذ وزهده، والظاهر من حال اصحابه الدين والتفقه والزهد والصلاح وقد قيل ان عبادة بن نسي رواه عن عبد الرحمن بن غنم عن معاذ بن جبل وهذا اسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة على ان اهل العلم قد تقبلوه واحتجوا به فوقفنا بذلك على صحته عندهم اھ

حارث بن عمرو کا یہ کہنا کہ اصحاب معاذ کے چند اشخاص سے روایت ہے۔ یہ شہرت حدیث پر دلالت کرتی ہے اور کثرت روات پر حضرت معاذ کا زہد تو معلوم ہے اور بظاہر اصحاب معاذ کی حالت بھی تدین تفقہ زہد وصلاح ہوگی۔ نیز اس حدیث کی ایک دوسری اسناد بھی ہے جو متصل ہے صحیح ہے اس کے علاوہ علماء امت نے اس کو قبول کیا یہ خود اس کی دلیل ہے کہ انکے نزدیک حدیث صحیح ہے۔

امام ابوبکر رازی کتاب الفصول فی الاصول (مخطوط) میں فرماتے ہیں۔

فان قيل هذا الخبر رواه عن قوم مجهولين من اصحاب معاذ قيل له لا يضره ذلك لان اضافة ذلك الى رجال من اصحاب معاذ توجب تاكيده لانهم لا ينسبون اليه بانهم من اصحابه الا وهم ثقات مقبولو الرواية ومن جهة اخرى ان هذا الخبر قد تلقاه الناس بالقبول واستفاض واشتهر عندهم من غير نكير من احد منهم على رواته ولا رد له وايضاً فاكثر احواله ان يصير مرسلاً والمرسل عندنا مقبول

اصحاب معاذ کا مجہول ہونا صحت حدیث کے لئے مضر نہیں کیونکہ حضرت معاذ کی طرف منسوب ہونا انکے ثقہ ہونے کے لئے کافی ہے ان کے اصحاب تو انہی کو کہا جائے گا جو ثقہ مقبول الروایۃ ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ امت نے اسکو قبول کرلیا ہے اور درجہ استفاضہ و شہرت کو پہونچ گئی ہے۔ اور سلف میں سے کسی سے انکار ورد منقول نہیں۔ نیز زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ حدیث مرسل ہو جائیگی اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے۔

انہی حقائق کی بنا پر امام حدیث قاضی ابوبکر بن العربی شرح ترمذی میں فرماتے ہیں:-

والدين القول بصحته فانه حديث مشهور يرويه شعبة بن الحجاج رواه عنه جماعة من الفقهاء والائمة اھ

میرا عقیدہ تو یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے۔ شعبہ جیسے محدث اسکو روایت کرتے ہیں اور انسے فقہاء ائمہ پھر روایت کرتے ہیں۔

[۱] ماخوذ از حواشی النبذ للشیخ الکوثری

ابوبکر رازی ابوبکر بن خطیب بغدادی ابوبکر بن العربی ان سب اکابر نے توثیق حدیث کے لئے ایک بڑی وجہ یہ بیان کی کہ فقہاء امت اور ائمہ دین نے اس کو تسلیم کر لیا، حافظ ابوعمر بن عبدالبر وغیرہ محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ علماء امت اس کو تسلیم کر لیں گو اسناد میں کلام ہو جیسا کہ "تدریب الراوی" وغیرہ میں مذکور ہے۔

تاریخ ابن ابی خیثمہ (مخطوط) و جامع بیان العلم میں علی بن الجعد کی روایت میں یوں ہے عن شعبۃ عن ابی عون قال سمعت الحارث بن عمرو ابن اخی المغیرۃ بن شعبۃ یحدث عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن معاذ بن جبل الخ لیجئے اصحاب معاذ کے مجہول ہونے میں جو کچھ شبہ تھا وہ بھی جاتا رہا اور اس روایت نے بتلا دیا کہ اصحاب معاذ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اصحاب ہیں جو اس حدیث کو معاذ بن جبل سے نقل کرتے ہیں صحابہ تو اہل سنت کے نزدیک سب عدول ہیں، ان کے اسماء گرامی معلوم نہ ہونے کسی کے نزدیک ضعف حدیث کے باعث نہیں بن سکتے اب حدیث مذکور کے صحیح و قابل حجت ہونے میں کونسا شبہ باقی رہا۔ خلاصہ بحث اب یہ نکلا کہ حدیث مذکور کی اگر ایک ہی اسناد ہو تو جب بھی صحت کیلئے کافی ہے

الف۔ کل فقہاء امت محمدیہ نے بغیر چون وچرا کے حدیث مذکور کو قبول کر لیا ہے۔

ب۔ اسناد میں کوئی مجروح راوی موجود نہیں حارث بن عمرو اگرچہ مستور الحال ہیں لیکن کبار تابعین میں سے ہیں ابوعون ثقفی جیسا محدث انسے روایت کرتے ہیں یہ ان کی توثیق کے لئے دلیل ہے۔

ج۔ شعبۃ بن الحجاج جیسے متشدد محدث اس کے راوی ہیں اگر اس حدیث میں کوئی ضعف ہوتا تو شعبہ اس کی روایت ہرگز نہیں کرتے اور پھر شعبہ سے جلیل القدر ائمہ حدیث مثل عبداللہ بن المبارک عبدالرحمن بن مہدی یحیٰی بن سعید القطان وغیرہ وغیرہ ہرگز روایت نہ کرتے، ان اساطین حدیث کی روایت کرنا اور اس پر کوئی جرح وقدح نہ کرنا یہ صحت حدیث کی دلیل ہے۔

د۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کرنے کے بعد کوئی کلام نہیں کیا اور سکوت فرمایا، سب محدثین کے ہاں مسلم ہے کہ ابوداؤد کا کلام نہ کرنا اور روایت کر لینا اس کی دلیل ہے کہ ان کی نزدیک حدیث قابل احتجاج ہے اور صالح للعمل ہے۔

ہ۔ اصحاب معاذ کے نام معلوم ہونا ضعف حدیث کے باعث نہیں کیونکہ اصحاب معاذ کا زہد وتقوی بھی مسلم ہے اور وہ مجہول بھی نہیں ہیں اور بسا اوقات کثرت کے باعث نام ساقط کر دیئے جاتے ہیں جو بجائے ضعف کے مزید قوت و شہرت کی دلیل ہے۔

و۔ اور اگر اصحاب معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے صحابہ کرام ہیں جیسا کہ جامع بیان العلم کی روایت

ہیں تو وہ باتفاق اہل سنت عدول وثقات ہیں حدیث اب نہایت ہی قوی ہوجائیگی۔
س۔ اس اسناد کے علاوہ اس حدیث کی دوسری اسناد بھی موجود ہے وہ بلاشک صحیح ومتصل ہے جیسا کہ خطیب بغدادی کی کتاب الفقیہ والمتفقہ میں تصریح ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر اب ہم علی روس الاشہاد یہ اعلان کرتے ہیں کہ ابن حزم یا کوئی دوسرا جو بھی اس حدیث کی تضعیف یا اسقاط کے درپے ہے وہ اپنے علم وتحقیق پر بدنما داغ لگا رہا ہے۔ ہم نے بقصد اختصار اہل علم کے لئے بعض اشارات پر اکتفا کیا ہے اور انکی تفصیل کے لئے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔ تاہم توقع ہے کہ یہ اشارات اہل علم حضرات کے لئے کافی ثابت ہونگے
تنبیہ :۔ ابن حزم اور انکے اتباع "رائے وقیاس" کی مذمت میں کچھ روایات وآثار پیش کرکے ابطال قیاس کے لئے راستہ صاف کیا کرتے ہیں "جامع بیان العلم" وغیرہ میں اسکا ایک کافی ذخیرہ موجود ہے اسپر مستزاد یہ کہ عہد سلف میں سے بعض علماء نے "اصحاب الرأی" "واصحاب الحدیث" دو فرقے بنا دیئے اور متعصبین نے جب اسپر حاشیہ آرائی شروع کی تو امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب واتباع کو اصحاب الرأی میں شمار کیا اور امام مالک وغیرہ کو اصحاب الحدیث میں شمار کیا یہ موضوع تو مستقل مقالہ کا محتاج ہے۔ اس وقت صرف چند اشارے عرض کئے جاتے ہیں۔ استنباط تفقہ اجتہاد کی اہمیت کے لئے قرآن کریم کی آیات بینات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی ارشادات عہد خلفاء راشدین کے کارنامے فقہاء صحابہ کے قضایا وفتاوی کافی شواہد وبینات ہیں۔ مکہ معظمہ ابن جریج عطاء بن ابی رباح وغیرہ مدینہ منورہ میں فقہاء سبعہ کوفہ میں علقمہ واسود سعید بن جبیر پھر ابراہیم نخعی پھر حماد بن ابی سلیمان بصرہ میں حسن بصری ابن سیرین وغیرہ مصر میں یزید بن ابی حبیب پھر لیث بن سعد شام میں مکحول پھر اوزاعی فقہاء بلاد میں سے ابوحنیفہ سفیان ثوری ابن ابی لیلی ربیعۃ الرأی مالک شافعی احمد بن حنبل عبداللہ بن المبارک اسحاق بن راھویہ وغیرہ وغیرہ۔ دین کے امام امت محمدیہ کے اساطین ان سب اکابر کی زندگی کے کل لمحات اس کی اہمیت کے براہین ودلائل ہیں۔ جن آثار میں رأی کی مذمت آئی اس سے مراد ہوئی ونفسانی خواہشات ہیں اور اصحاب الرأی سے اہل ہوا مراد ہیں جنہوں نے اصول دین میں اپنی رائے کو دخل دیا جسکا نتیجہ معتزلہ مرجیہ قدریہ جبریہ جہمیہ وغیرہ کی شکل میں دنیا نے دیکھ لیا چنانچہ عبداللہ بن المبارک سے کسی نے پوچھا۔ کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ "اصحاب الرأی اعداء السنۃ" یعنی رائے والے سنت کے دشمن ہیں۔ کیا اس سے ابوحنیفہ اور انکے امثال مراد ہیں؟ فرمایا۔

سبحان اللہ ابوحنیفۃ یجھد جھدہ ان	سبحان اللہ! ابوحنیفہ تو انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ
یکون عملا علی السنۃ فلا یغادرھا فی شیٔ منہ	پورا عمل سنت پر کریں اور ذرہ برابر اس سے جدا نہوں
فکیف یکون من اعادی السنۃ انما ھم	تو وہ کیونکر دشمنان سنت سے ہوں گے۔ ان سے

اهل الهواء والخصومات الذين يتركون الكتاب والسنة ويتبعون اهواءهم ؎

مراد وہ اہل اہواء ہیں جو کتاب وسنت پر عمل نہیں کرتے اور اہواء کا اتباع کرتے ہیں۔

"رای" کے یہ معنی کہ جو حوادث و واقعات کتاب اللہ و سنت میں مذکور نہیں ان میں غور و خوض کرکے ان قواعد و احکام کے مناسب مسائل و احکام کا استخراج کرنا یہ رائے سراسر محمود ہے اس میں مذمت کا کوئی پہلو نہیں دین کا کوئی امام اس رائے سے مستغنی نہیں ہو سکتا جنہوں نے اس سے استغناء کیا گذشتہ بیان میں کچھ نمونہ انکا ملاحظہ کیا ہوگا۔ امام محمد بن الحسن فرماتے ہیں۔

لا يستقيم الحديث الا بالرأى ولا يستقيم الرأى الا بالحديث ؎

حدیث بغیر رائی کے درست نہیں اور رائے بغیر حدیث کے درست نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ احادیث کے لئے رائے کی ضرورت ہے کہ انکے معانی و مقاصد پر غور کیا جائے اور صحیح نتائج اخذ کئے جائیں، اور صرف رائے پر بھی عمل کرنا ٹھیک نہیں جبتک احادیث نبویہ سے اس کی تائید نہ ہو، سلف میں ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا نام جو اصحاب الرأی پڑ گیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث و روایت کا فن سب کا مشترک فن تھا تفقہ و دقت رائے میں وہ ممتاز تھے اور یہ ان کا خصوصی فن تھا اس لئے اس لقب سے پکارے گئے یہ تو انتہائی منقبت کی چیز تھی جسے یاروں نے مذمت کا لقب سمجھا گویا "رای" کے معنے ٹھیک وہی تھے جس کو آج کل کے عرف میں رائے کہتے اور "اصحاب الرأی" کے معنے جسے آجکل "ذی رائے" کہا کرتے ہیں، امام مالک فرماتے ہیں ایک دفعہ ابو حنیفہ سے ملاقات رہی اور کئی مسائل میں علمی گفتگو رہی اور کئی مجلسیں ایسی ہوئیں "فما رأيت رجلاً افقه منه ولا اغوص منه فى معنى وحجة"

پس میں نے ان سے زیادہ افقہ اور معانی و دلائل میں ان سے زیادہ گھسنے والا نہیں دیکھا۔ امام شافعی کا مقولہ تو مشہور ہے "يتبحر فى الفقه فهو عيال على ابى حنيفة"

جس کو فقہ میں تبحر کا ارادہ ہو تو وہ ابو حنیفہ کا محتاج ہوگا۔ امام ابو عبید بن القاسم بن سلام سے منقول ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں "من أراد الفقه فليلزم اصحاب ابى حنيفة" جسکو فقہ حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو ابو حنیفہ کے تلامذہ کی صحبت اختیار کرے فقہ اسلامی کی تاریخ تو ان جواہرات سے بھری پڑی ہے تفصیل مقصود نہیں غرض صرف اتنی تھی کہ اصحاب الرای و اصحاب الحدیث کی تفریق مشہور معنے سے بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے جو عرض کی گئی۔ واللہ الموفق۔

؎ کشف الاسرار شرح اصول البزدوی ص۱۷ ج۱ ؎ اصول فخر الاسلام بزدوی۔